جناب پروفیسر محمد معین الدین صاحب (کراچی)

اسلام کا تعزیری نظام اور انسدادی تدابیر

اسلامی نظام نے جرائم کے انسداد میں سب سے زیادہ اہمیت ان امور کو دی ہے جو جرائم کا باعث یا محرک بنتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں افراد کے درمیان اس طرح تعلقات کو استوار کیا جاتا ہے کہ وہ ایک صحت مند معاشرہ کے رکن بنیں۔ ایسے معاشرہ کے رکن ہوں جہاں افراد کے مفادات ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا احترام کیا جائے۔ اس کیلئے قرآن اور سنت کی تعلیمات پر مبنی ایک جامع اخلاقی ضابطہ استوار کیا گیا ہے۔ جرائم کے انسداد کے لئے واحد ذریعہ جو سب سے زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے وہ سزا دینا ہے۔ جرم کے ساتھ سزا کا تصور لازم و ملزوم ہے۔ یہی خیال مغربی مفکر بینتھم کا بھی ہے، لیکن بالواسطہ طریقہ سے بھی انسدادی تدابیر مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں، بالفاظ دیگر جرم کے سدباب کے لئے قانون سازی کے دو طریقے ہیں

(۱) براہ راست (۲) بلاواسطہ۔

براہ راست قانون سازی سے مرتکب جرم کو سزا دے کر روک تھام کی جاتی ہے لیکن بلاواسطہ قانون سازی انسدادی اور احتیاطی دونوں تدابیر پر مشتمل ہوتی ہے مثلاً خلاف قانون مجمع کو منتشر کرنا، حفظ امن یا نیک چلنی کیلئے کسی شخص کو ضمانت یا مچلکے کا پابند کرنا دفعہ (۱۴۴) کے ذریعہ پابندیاں عائد کرنا وغیرہ۔ براہ راست قانون سازی سے مجرم کو اس کی بے راہ روی کی سزا دی جاتی ہے اور بلاواسطہ قانون مجرم کے اقدام جرم کے اندیشوں سے بٹتا ہے۔ ان اندیشوں کا پتہ چلانے کیلئے خفیہ اور پوشیدہ ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں اور بقول بینتھم بلاواسطہ طریقہ یہی زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے کیونکہ ہمارے موجودہ قانون تعزیرات میں بہت سے نقائص پائے جاتے ہیں کیونکہ تعزیزی قانون اس وقت حرکت میں آتا ہے جب مجرم اپنا کام ختم کر چکا ہوتا ہے مثلاً قتل، ڈاکہ اور سرقہ کے ارتکاب کے بعد پولیس اطلاع ملنے پر تفتیشی کاروائی کرتی ہے نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مجرم کو سزا دینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سزا بھگتنے کے بعد اس میں عموماً جرم کی صلاحیت استوار ہو جاتی ہے یعنی ہماری اکثر سزائیں بے اثر ہوتی ہیں یا مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کرتیں۔ تعزیری قانون کی تیسری

خرابی یہ ہے کہ سزا دینا بھی کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی برائی ہے جو مجبوراً اختیار کی جاتی ہے ۔کسی بھی ملک کے موجودہ مجموعے تعزیرات پر سرسری نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ قانون کی دھمکیوں اور لاتعداد پابندیوں یا تعزیری کاروائی میں سینکڑوں خرابیاں پائی جاتی ہیں یعنی یہ کہ طویل مراحل کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ ملزم بے قصور اور معصوم پایا جاتا ہے گویا ہمارا قانون مجرم اور بے گناہ میں آسانی سے فرق نہیں کر سکتا۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ عدالتوں سے سینکڑوں بے گناہ سزا پاتے رہتے ہیں اور جج یا حاکم عدالت بھی تو انسان ہونے کے ناطے سے غلطیاں کر سکتے ہیں۔ اس طرح لاتعداد جرائم کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔ اکثر سنگین واقعات کی پولیس میں رپورٹ بھی درج نہیں کرائی جاتی۔ ملزم قانونی موشگافیوں کے باعث یا تو سزا سے بچ جاتے ہیں یا بعض صورتوں میں رائے عامہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ہیرو بنادیتی ہے اور ان کی حمایت کرتی ہے۔ گرفتاریوں پر مظاہرے، گرفتار شدہ اشخاص کی رہائی کیلئے جلسے جلوس یا ہڑتالیں روزمرہ کا معمول ہیں لہذا ہر ملک کے قانون ساز اداروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ بلاواسطہ قانون سازی کے ذریعہ حفظ ماتقدم کے طور پر احتیاطی اور انسدادی قانون سازی پر زیادہ توجہ دیں۔

بنتھم نے یہ کہا ہے کہ مجرموں کی بے راہ روی کو روکنے کیلئے مختلف طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں اور قانون کا یہ فرض ہے کہ بلاواسطہ طریقے اختیار کر کے جرم کے امکانات کو کم سے کم کیا جائے۔ مثلاً عوام کیلئے زیادہ سے زیادہ سیر و تفریح، کھیل کود، تھیٹر، مباحثے یا جسمانی ورزشوں کی جانب راغب کیا جائے تو جرائم کی تعداد میں کمی ہو سکتی ہے۔ جب ہم بنتھم کے تصورات کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ اس کا نظریہ رنج وراحت، خوشی وغم اور متبادل سزا کا تصور مطلوبہ اغراض کو پورا نہیں کرتا، کیونکہ کسی شخص کو خوشیوں سے محروم کر کے بھی سزا دی جاسکتی ہے۔ اخلاقی تعلیم، خدا کا خوف، معاشرے کی نکتہ چینی، سیر و تفریح کے لئے باغات، فنون لطیفہ اور مذہبی تعلیم کو بلاشبہ بڑی اہمیت دی جاتی ہے، لیکن بنتھم کے تجویز کیے ہوئے بلاواسطہ طریقے بھی بعض اوقات کارگر ثابت نہیں ہوتے۔ بنتھم نے اسلامی سزاؤں پر تنقید کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ جب اسلامی تعلیمات اور اخلاقی اقدار بے اثر ہونے لگیں تو پیغمبر اسلام نے منشیات کے استعمال پر پابندی عائد کردی تاکہ لوگ نشہ میں مدہوش ہوکر تہذیب اور شائستگی کے خلاف

حرکات نہ کرنے لگیں۔ بنتھم کی یہ تنقید اسلامی اصول جرم اور اخلاقی ضابطہ سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے نشیلی اشیاء پر قطعی پابندی عائد کر کے اس برائی کا بالکل خاتمہ کر دیا ہے۔ اسلامی قانون کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سزا و جزا کے ساتھ ساتھ روک تھام یا انسداد کی تدابیر بھی شامل ہیں۔

مغربی قوانین جرم کو ایک معاشرتی برائی تصور کرتے ہیں ان کے مطابق ہر جرم میں دو خرابیاں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ ہر جرم معاشرے کیلئے مضرت رساں ہوتا ہے۔ دوئم یہ کہ ہر قانون کی خلاف ورزی چند اخلاقی قدروں کو پامال کرتی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی قوانین فرد اور معاشرے دونوں کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن القیم نے کم وبیش ۹۹ انسدادی تدابیر بیان کی ہیں جن کے مطابق شریعت کے نقطہ نظر سے جرائم کے انسداد میں بڑی مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر "زنا" جیسے سنگین اور گھناؤنے جرم پر غور کیجئے، تو پتہ چلے گا کہ اس جرم کے ارتکاب اور انسداد کیلئے بے شمار احتیاطی تدابیر بنائی گئی ہیں۔ قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ عورتیں اپنے قدموں کی چاپ یا پازیب کی آواز کسی کے کان تک نہ پہونچنے دیں۔ پائل کی جھنکار سے بدکردار عورتیں مردوں کی توجہ اپنی جانب منعطف کرواتی ہیں۔ اس حکم کا منشا یہ ہے کہ کسی عورت کی غفلت میں خلل پڑنے کا کوئی موقع پیش نہ آئے لیکن مردوں اور عورتوں کے مزاج میں اختلاف اور ماحول نیز جغرافیائی حالات کے باعث مزید احتیاطی تدابیر کے طور پر عورتوں کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سینوں کو کھلا نہ رکھیں اور ایسا لباس استعمال نہ کریں جو ان کی فطری حیاء اور شرم کے منافی ہو۔ غالباً اسی لئے عورتوں اور مردوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی نظروں کو نیچا رکھیں۔ عورتیں اپنے چہروں کو اپنے شوہروں، قریبی رشتہ داروں، کنیزواں، غلاموں، خادموں اور بچوں کے سامنے کھلا رکھ سکتی ہیں۔

مردوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھٹنے سے ناف تک کے حصے کو ڈھکا رکھیں۔ عورتیں اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کلائی تک کھلا رکھ سکتی ہیں۔ ان احتیاطی تدابیر کو سطر کہا جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ عورت کی آواز بھی سطر مین شمار ہوتی ہے ورنہ عورتوں کی دلکش اور میٹھی آواز سے مردوں کو کشش اور رغبت پیدا ہوسکتی ہے۔ نگاہوں سے بھی جذباتی اور جنسی کشش پیدا ہوسکتی ہے۔ انہی مصلحتوں کے مد نظر آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو مردوں سے دور رہنے کی اس حد تک اجازت

فرمائی ہے کہ دونوں ساتھ مل کر قرآن مجید کی تلاوت بھی نہیں کر سکتے۔ دونوں کو ساتھ سفر کرنے حتیٰ کے حج کرنے تک کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ مذکورہ بالا احتیاطی تدابیر کے پیش نظر زنا کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ مگر اسکے باوجود اگر کوئی شخص زناکاری کا مرتکب ہو تو اس کیلئے کوڑے مارنے یا سنگسار کرنے کی سخت سزا رکھی گئی ہے۔ اسی طرح اسلام نے شراب اور منشیات کے استعمال پر پابندی عائد کر کے اسے حرام قرار دیا۔ شرعی قوانین نے امتناعی تدابیر کے علاوہ تادیبی احکام کے ذریعہ اس لعنت کی روک تھام کی۔ قرآن مجید نے شراب نوشی اور قماربازی کو شیطانی فعل قرار دیا۔ سماجی برائیوں کی طرح معاشی برائیوں کو ختم کرنے کیلئے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس بارے میں عبداللہ یوسف علی نے کہا ہے کہ ہمارے فقہاء کرام نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ لہذا تجارتی فوائد سے ہٹ کر قرضے سے ناجائز فائدہ حاصل کیا جائے تو اسے سود شمار کیا جائیگا۔ یہی حال کھانے پینے کی اشیاء گیہوں، جو، کھجور اور نمک کا ہے۔ اسلام نے ذخیرہ اندوزی کی بھی ممانعت کی ہے۔ کیونکہ اس طریقہ کار سے بھی ناجائز فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے مالکی مکتبہ فکر کے علماء کا قول ہے کہ ناجائز فائدہ حاصل کرنا یا کسی فریق کو نامناسب نقصان پہنچانے والا کا ہر کاروبار ناجائز اور حرام ہے۔ اسکی چار صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً ہر ایسا فعل جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے، دروازے کے آگے یا پیچھے اس غرض سے گڑھا کرنا کہ ہر آنے جانے والا اس میں گر پڑے فعل ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح عام گزرگاہ پر رکاوٹیں کھڑی کرنا جس سے عوام کو آمدورفت میں ضرر پہنچے ممنوع فعل ہے۔ اسکے علاوہ ایسی تمام خرید و فروخت جس سے ناجائز نفع اندوزی مقصود ہو ناجائز تصور کی جاتی ہیں۔

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں ریاست میں ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسلامی ریاست میں ایک صالح، پاکیزہ اور قابل عمل نظام عدل وانصاف کو کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں یہ بخوبی علم ہے کہ قضاء اور احتساب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور جبتک احتساب کو مؤثر نہیں بنایا جاتا اس وقت تک ایک فعال اور قابل عمل نظام Adminstration of Justice ممکن نہیں ہے، اس لئے ہم ایک اجمالی خاکہ اسلامی نظام احتساب کی تاریخ کا پیش کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ پاکستان کی معروضی صورت حال کے پس منظر میں چند تجاویز موجودہ نظام قضاء وانصاف کو بدلنے اور نظام احتساب کو مؤثر بنانے کیلئے پیش کریں گے۔

اسلام کا نظام احتساب : اسلام کا نظام احتساب ہمہ پہلو ہے۔ اسلامی شریعت میں اسکے ماننے والوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے دوسروں کو منع کریں۔ اس کام کو" امربالمعروف ونہی عن المنکر" کہا گیا ہے۔ "امربالمعروف ونہی عن المنکر" کا فریضہ ہر مسلمان کے ذمے ہے۔ بنیادی طور پر ہر مسلمان اس کا مکلّف ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

الذین ان مکناھم فی الارض اقامو الصلوۃ واتو الزکوۃ وامرو بالمعروف ونھوا عن المنکر (الحج : ۴۱)

ترجمہ : یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ ایک دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے : ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولیٔک ھم المفلحون (آل عمران : ۱۰۴)۔ (ترجمہ) : اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیکی کو رائج کرنے اور برائی کو روکنے کا کام ہر مسلمان کا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کیلئے اجتماعی کوششیں بھی ہونی چاہیئے اور جب معاشرتی زندگی بہت پیچیدہ ہو جائے اور برائی اپنے حجم کے اعتبار سے بہت بڑھ جائے تو ریاستی سطح پر ایک ادارہ کا ہونا ضروری ہے۔ عہد رسالت میں جب مدینہ میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا تو ریاست کے جملہ امور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی میں مرتکز ہو گئے۔ آپ مصلح بھی تھے اور سپہ سالار بھی، اخلاقیات کا درس دینے والے بھی اور اخلاقی قدروں کو پامال کرنے پر سرزنش کرنے والے اور موقع کے مطابق سزا دینے والے بھی۔ کتب حدیث اور تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں پولیس، احتساب یا شرطہ نام کا کوئی باقاعدہ ادارہ موجود نہ تھا۔ سزاؤں کے ضمن میں آپ کے دور میں معمولی سرزنش مار پیٹ اور کوڑے مارنے کی سزا سے لیکر سنگسار کرنے کی سزا تک ثابت ہے۔ اس دور کے نظام احتساب کو اگر اختصار سے بیان کیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(۱) نیکی کے فروغ اور برائی کے سدباب کیلئے آپ خود بازاروں میں گشت کرتے اور موقع و محل کے مطابق احکام صادر فرماتے۔ (۲) سزاؤں میں قید کی سزا دینا بھی آپ سے ثابت ہے جس کی صورت مسجد کے ستونوں سے باندھ دینا ہوتی تھی۔ (۳) سنگین جرائم کی صورت میں حدود کا اجراء بھی

کرتے اور سخت تعزیری سزائیں بھی دیتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو مقرر کر رکھا تھا۔ جنہیں یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی کو محبوس کریں۔ ماریں یا گرفتار کریں۔ (۴) صحابہ کرام کسی کو ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب کرتے دیکھتے تو پکڑ کر حضور کے پاس لے آتے، جو مناسب فیصلہ کرتے۔ (۵) مجرموں کی گردنیں اڑانے کیلئے آپ نے حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ، حضرت مقداد بن الاسود، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت ضحاک بن سفیان کلابی کو مامور کر رکھا تھا۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ احتساب کا نظام اس شکل میں موجود نہ تھا جس شکل میں خلافت راشدہ کے دور میں تھا۔ احتساب سے متعلق بعض معاملات آپ ﷺ خود ہی ادا کرتے تھے۔

ادارہ احتساب کا تدریجی ارتقاء: قرآن مجید میں احتساب کے متعلق واضح احکامات ملتے ہیں جن سے ہمیں راہنمائی ملتی ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ فرد سے لیکر اجتماعی طور پر احتسابی عمل کو جاری کرنا ہے۔ عہد رسالت میں ریاست کے جملہ امور آپ ﷺ کی ذات میں مرتکز ہو گئے تھے۔ اس دور کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ محتسب کے فرائض آپ ﷺ انجام دیا کرتے تھے۔ لیکن جب اسلامی ریاست مدینہ شہر کی حدود سے نکل کر باہر تک پھیل گئی تو آپ نے اس کام پر کچھ اور اصحاب کو مامور کیا۔

عہد صدیقی میں احتساب کا نظام: حضرت ابوبکرؓ بھی رسول کریم ﷺ کی طرح بازاروں میں گشت کرتے اور اصلاح احوال کرتے۔ اس حد تک تو رسول کریم ﷺ کے نظام احتساب کو آپ نے برقرار رکھا لیکن اس دور میں احتساب کے نظام میں نہ وسعت ہوئی اور نہ بڑی تبدیلی عمل میں آئی۔

عہد فاروقی میں احتساب کا نظام: حضرت عمرؓ کے دور میں اسلام کے نظام احتساب کو بہت ترقی ہوئی۔ آپ کے دور میں بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عام رعایا کی جان ومال اور بلند اخلاق کے تحفظ کے لئے بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔ آپ اعلیٰ سرکاری حکام اور حکومت کے دیگر ملازمین کی سخت نگرانی کرتے تھے۔ احتساب سے قبل ان کے بارے میں اپنے ذرائع سے خفیہ معلومات حاصل کرتے۔ خلافت راشدہؓ کے بعد بھی ہمیں نظام احتساب جاری وساری نظر آتا ہے۔ کہیں ہمیں محتسب کیلئے صاحب السوق یا عامل السوق کے الفاظ استعمال ہوتا ہوا نظر آتا ہے، کہیں وہ قاضی کے اختیارات رکھتا تھا، کہیں اس کے پاس پولیس کے اختیارات تھے، لیکن جوبات

سامنے نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ قضاء کا نظام احتساب کے نظام سے الگ ہے۔ اگرچہ دونوں کے فرائض واختیارات اکثر وبیشتر مقامات پر مشترک ہیں۔

قضااور احتساب میں مماثلت اور دونوں میں باہمی فرق : اسلامی نظام قضاارتقائی عمل سے گزرا۔ رسول کریم ﷺ کے دور میں قضا کی جو ہیئت تھی وہ بعد میں نہ رہی۔ اور بعد میں اس نے ایک الگ محکمہ کی شکل اختیار کرلی۔ لیکن اس کے بنیادی تصورات وہی رہے جو شروع میں تھے۔ نظری اعتبار سے ہمیں قضااور احتساب کے نظام میں کئی مقامات پر گہرا تعلق نظر آتا ہے۔ ان میں سے ایک تعلق یہ ہے کہ دونوں کے فرائض میں عوام الناس کے حقوق شامل ہیں۔ محکمہ قضاء اور محکمہ احتساب دونوں کو پولیس کی معاونت حاصل ہوتی ہے۔ قاضی کسی کا کھویا ہوا حق اسی صورت میں واپس دلا سکتا ہے جب سائل قاضی کے پاس اپنا دعوے لیکر آئے۔ محتسب پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے وہ جہاں دیکھتا ہے کہ کسی کی حق تلفی ہو رہی ہے از خود مداخلت کر کے قانون نافذ کرتا ہے۔ قاضی باعتبار منصب ایسا نہیں کر سکتا گویا دونوں میں کام کی نوعیت کے لحاظ سے فرق نہیں بلکہ طریق کار کے لحاظ سے فرق ہے۔

محتسب اپنی صوابدید پر جب چاہے پولیس کو حکم دیکر مجرم کی سرکوبی یا گرفتاری کے لئے کہہ سکتا ہے البتہ قاضی کے لئے پولیس کا یہ اختیار محدود ہے۔ وہ پولیس کا تعاون وہیں حاصل کرتا ہے جہاں فریقین میں سے کوئی ایک عدم تعاون کی راہ اختیار کرتے ہوئے عدالتی عمل میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہو۔ محتسب کو مکمل عدالتی اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ بعض مقدمات میں مجرم کو گرفتار کر کے عدالت کے سامنے لانا بھی محتسب کے ذمہ ہے یہاں گویا وہ عدالت کا معاون ہے۔

محکمہ احتساب بعض اعتبار سے کئی انتظامی اختیارات رکھتا ہے جن کے باعث بیشتر جرائم سرسری کاروائی کے بعد ختم کئے جاسکتے ہیں۔ قاضی کے لئے ایسے فیصلے کرنا قرین مصلحت نہ ہو۔ قضااور احتساب کے نظام کا گہرا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں میں گہرا ربطہ اور تعلق ہے ۔ دونوں ایک ہی مقصد کے حصول کیلئے نظام سلطنت کے معاون ہوتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ کہیں قاضی کے اختیارات محتسب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ کہیں محتسب قاضی کی معاونت کرتا نظر آتا ہے۔ کسی معاملہ میں قاضی مداخلت نہیں کر سکتا جب کہ محتسب خود آگے بڑھ کر فریقین میں

عدل قائم کرتا ہے۔ محتسب کے لئے مجتہد ہونا ضروری نہیں ہے اس کو تفویض کردہ معاملات انتظامی نوعیت کے ہیں اور سرسری سماعت کا تقاضا کرتے ہیں جن کے لئے گہرا مطالعہ اور مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو محتسب کا مرتبہ قاضی سے قدرے کم ہے اسی لئے یہ عہدہ قاضی کے ماتحت سمجھا جاتا ہے۔

اسلامی ریاست میں محتسب کی ذمہ داریاں: نظری اعتبار سے محتسب کے ذمہ دو بنیادی کام ہیں: (۱) کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے۔ (۲) کہ وہ لوگوں کو برائی سے روکے۔

ا۔ نیکی کا حکم دینا: نیکی کا حکم دینا تین طرح سے ممکن ہے۔

(۱) کہ وہ لوگوں کو حقوق اللہ ادا کرنے کی تلقین کرے۔ حقوق اللہ کی مزید دو قسمیں ہیں۔ (الف) لوگوں کو اجتماعی امور میں نیکی کا حکم دینا۔ مثلاً کسی بستی میں نماز کا اہتمام نہ ہونے پر محتسب بستی کے لوگوں کو توجہ دلائے اور نماز باجماعت کیلئے وسائل اکٹھے کر کے نماز کا اہتمام کرے۔ (ب) لوگوں کو انفرادی امور میں نیکی کا حکم دینا جیسے کوئی شخص نماز باجماعت میں تاخیر یا غیر حاضری کو عادت بنالے تو اسے توجہ دلا سکتا ہے۔

۲۔ وہ لوگوں کو حقوق العباد ادا کرنے کی تلقین کرے۔ حقوق العباد کی بھی مزید دو قسمیں ہیں (الف) عامۃ الناس کے اجتماعی حقوق کا تحفظ، جیسے کسی بستی میں پانی کے کسی بند کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو اور اس سے لوگوں کے جان و مال کو نقصان ہو رہا ہو تو محتسب بستی کے لوگوں کو بند کی مرمت پر لگا سکتا ہے تاکہ لوگوں کا نقصان نہ ہو۔ (ب) کسی خاص فرد کے حقوق کا تحفظ جیسے کوئی شخص اپنے نوکر سے غیر انسانی سلوک کر رہا ہو تو محتسب اسے روک سکتا ہے۔

۳۔ امر بالمعروف کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی معاملہ کا ایک پہلو تو حقوق اللہ کا احاطہ کرتا ہو اور دوسرا پہلو حقوق العباد کو ظاہر کر رہا ہو۔ مثال کے طور پر لڑکیوں کے سرپرست بلاوجہ ان کی شادیاں نہ کر رہے ہوں حالانکہ لڑکیاں شادی کرنا چاہتی ہوں تو محتسب لڑکیوں کے سرپرستوں کو ان کی شادی کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

برائی سے منع کرنا: برائی سے منع کرنا یعنی نہی عن المنکر کی بھی تین اقسام ہیں۔ جو امر بالمعروف کے ضمن میں بیان کی گئی ہیں۔ مجموعی طور پر کچھ امور مندرجہ ذیل ہیں جنکو محتسب روک سکتا ہے۔

(۱) رمضان المبارک میں بغیر کسی عذر شرعی کے سر عام کھانا پینا (۲) کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرنا (۳) کاروباری پیمانوں میں کمی کرنا (۴) بغیر اہلیت کے لوگوں کا علاج کرنا۔ (۵) طبیبوں کو زہر فروخت کرنے سے روکنا۔ موجودہ دور میں بغیر نسخ کے دوائیں بیچنے والے کیمسٹ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ (۶) کھانے پینے کی اشیاء کی صفائی کا خیال رکھوانا۔ (۷) غیر مرد اور عورت کا علیحدگی میں ملنا۔ (۸) مسافر گاڑیوں میں منظور شدہ تعداد سے زائد مسافر بٹھانا۔

(۹) ذخیرہ اندوزی کرنا۔

موجودہ قوانین سے مراد اگر پاکستان میں رائج Anglo Saxon قوانین ہیں جو ہمیں برطانوی دور غلامی میں ورثہ میں ملے ہیں تو اس کے اندر رہتے ہوئے ہم اسلامی نظام احتساب کو مؤثر نہیں بنا سکتے ہیں۔ خاص طور پر ہمیں Criminal Proecdure اور CivilPenal.code اور قانون شہادت کو بدلنا ہوگا یا ان میں مناسب ترامیم کرنی ہوگی۔ جب تک ہم احتساب کے عمل کو انفرادی سطح سے لیکر حکومتی سطح تک مورج اور مؤثر نہیں بناتے ہم ایک فلاحی اسلامی ریاست قائم ہی نہیں کر سکتے۔ ہمارے یہاں برسوں کی غلامانہ ذھنیت اور ایک اسلامی اخلاقی نظام کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ رجحان افراد میں پایا جاتا ہے کہ وہ انفرادی منفعت اور مفاد کو ریاست کے مفاد پر ترجیح دے رہے ہیں۔ قانون کی پاسداری کا جذبہ ختم ہو گیا ہے انکا نقطہ نظر Obedience to Law کا نہیں ہے بلکہ Evasion of Law کا بن گیا ہے۔ یہ سب یوں ہوا کہ ہمارے ملک میں ایک مؤثر نظام احتساب نہیں ہے اور قوانین پر عمل کرتے ہوئے ہم Discriminate کرنے لگے ہیں سستا اور فوری انصاف فراہم کرنے میں ہم ناکام ہو گئے ہیں۔

نظام احتساب کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں ہمیں یہ بات ذھن میں رکھنی چاہیئے کہ احتساب اور نظام قضاء کا جولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب ہمارا نظام قضاء مؤثر ہوگا اور افراد کو سستا اور فوری انصاف مہیا کیا جاسکے گا تو ایک طرف تو عدالت اور خاص طور سے اعلیٰ عدالتوں میں مقدمے کی بھر مار نہ ہوگی تو دوسری طرف محتسب کو کام کرنے کیلئے ایک بہتر ماحول ملے گا اور اس کی دسترس میں مجرموں کی سرزنش آسان ہو جائے گی۔ قضاء اور احتساب کے اس دہرے عمل کو مؤثر بنانے

کیلئے ہمیں محکمہ پولیس کی موجودہ ساخت وہیئت کو بدلنا ہوگا اور اس کو محکمہ احتساب کے ماتحت لانا ہوگا۔ فی الوقت ہمارے یہاں قانون کے نفاذ کیلئے پولیس کے محکمہ اس طرح ہیں۔
(۱) محکمہ پولیس جس میں ٹریفک پولیس بھی شامل ہے۔ (۲) سی آئی اے (۳) انٹی کرپشن پولیس (۴) پولیس کا کرائم برانچ (۵) ایف آئی اے (۶) اسپیشل پولیس (۷) محکمہ جاتی پولیس جیسے آبکاری پولیس وغیرہ۔ ان محکموں کا کسی نہ کسی طرح واسطہ مختلف قسم کے جرائم کی روک تھام کرنا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان محکموں کی موجودگی میں جرائم روزافزوں ترقی کررہے ہیں اور رشوت کا بازار گرم ہے۔ لہذا اب اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ پولیس کے محکمہ کی ازسر نو تنظیم کی جائے۔ اس سلسلے میں میری تجویز مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ہر پچاس ہزار افراد کی آبادی پر ایک پولیس اسٹیشن قائم ہو۔ (۲) ہر پولیس اسٹیشن پر آبادی سے متعلق پوری تفصیل کمپیوٹر پر محفوظ کرلی جائے اور پولیس اسٹیشنوں کو کمپیوٹر کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کردیا جائے۔ (۳) اسی سطح پر ایک کمیٹی یا کونسل یا ضلعی عدالت بنائی جائے جو اسی علاقہ کے افراد پر مشتمل ہو۔ کمیٹی کے افراد باکردار متقی اور اچھی شہرت کے حامل افراد ہوں، انکی تعلیمی قابلیت کم سے کم گریجویٹ یا دارالعلوم کی سب سے اعلیٰ سند ان کے پاس ہو ایسے افراد کی ایک سال تک قانون اور فقہ اسلامی کی تربیت دی جائے، یعنی یہ کمیٹی جیوری کے فرائض انجام دے۔ (۴) زندگی کے معمولی نوعیت کے واقعات، افراد کے درمیان تنازعات، عائلی مقدمات، زمین اور مکان سے متعلق تنازعات وغیرہ اس کمیٹی میں پیش کئے جائیں اور اس کے فیصلوں کو قبول کیا جائے۔ یہاں فریقین خود موجود ہوں اور اپنے گواہ پیش کریں۔ جن گواہوں کی فہرست فریقین کمیٹی میں جمع کرائیں ان کی حاضری کو اسلامی قانون شہادت کی رو سے لازمی قرار دیا جائے۔ (۵) اس علاقہ کے تھانہ اور پولیس کو اس کمیٹی کے ماتحت قانون کے فیصلوں پر عملدار کا پابند کیا جائے۔ (۶) اس کمیٹی کی کارکردگی کا جائزہ صوبائی یا فیڈرل محتسب کرتے رہیں۔ اس کمیٹی سے ہٹ کر معاشرہ میں بدعنویوں اور بے قاعدگیوں کی گرفت کرنے کیلئے جو محکمہ جاتی ادارہ ہیں ان کو بلدیاتی سطح پر مدغم Amalgamate کردینا چاہیے اور بلدیاتی اداروں میں مختلف امور کیلئے "عامل" مقرر ہوں جو بیک وقت بلدیہ میں عوامی نمائندوں اور محتسب کو جولبدہ ہوں۔

میرے خیال میں پولیس کے جو کثیر التعداد محکمے انسداد رشوت ستانی بد عنوانی اور لا قانونیت کیلئے قائم ہیں ان سبکو ختم کر کے صرف ایک ادارہ برقرار رکھا جائے جو Heinoos Crimes کے تدارک کیلئے ہو اور اس سلسلہ میں محتسب کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ اس ادارہ کی وقتاً فوقتاً نگرانی کرتے ہوئے جہاں کہیں بھی مناسب ہو اس ادارہ کے ملازمین کی اصلاح اور سرزنش کرتا رہے۔

ہمارے ملک کے قانون میں ایک بنیادی تبدیلی / ترمیم یا اضافہ کیا جائے کہ جو سرکاری افسر غلط حکم نافذ کرے جس سے فرد کی یا عوام الناس کی حق تلفی ہوئی ہو تو اسکا ذمہ دار ذاتی طور پر اس افسر کو قرار دیا جائے اور اس کو اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال کرنے پر سزا دی جائے اور اگر اس کے ناجائز حکم سے کسی کو مالی نقصان پہونچا ہو تو اس کی جائید اد سے ادا کیا جائے۔ یہ بات تجربہ میں آئی ہے کہ ایک ناجائز حکم پاس کرنے کے بعد اس افسر کا تبادلہ ہو جاتا ہے اور اسکی جگہ آنے والا افسر وہ ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ نہ تو غلط حکم پاس کرنے والے افسر کے خلاف کاروائی کیلئے کوئی قانون موجود ہے اور نہ ہی اس ناجائز حکم سے جو زیادتی کسی فرد یا افراد کو ہوئی ہے اس کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ نااہل یا بد عنوان سرکاری اہل کار کے خلاف محکمہ جاتی کاروائی کی جاتی ہے مگر وہ مؤثر یوں نہیں ہے کہ بد عنوانیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ معاشرہ میں جاری وساری ہے اور جب تک محکمہ جاتی کاروائی کے اوپر محتسب کی نگرانی نہیں ہوتی یہ سلسلہ دراز ہی ہوتا جائیگا۔ وفاقی محتسب ارڈی نینس ۱۹۸۳ء کو مندرجہ بالا تجاویز کی روشنی میں ہمہ گیر بنایا جائے اس کی موجودہ شکل صرف مشاورتی ہے، اس کو Prosecution کے اختیارات بھی ملنے چاہئیے۔ اسی طرح فیڈرل شریعت کورٹ کے اختیارات میں بھی وسعت پیدا کرنی چاہئیے۔ فی الوقت وہ مروجہ قوانین میں ان قوانین کو غیر اسلامی قرار دے سکتی ہے جو قرآن وسنت سے متصادم ہیں لیکن اپنے دیئے گئے فیصلوں پر فیڈرل گورنمنٹ یا صوبائی حکومتوں سے عمل درآمد نہیں کرا سکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ محتسب کے ادارہ کو اتنا بااختیار بنایا جائے کہ اس کے سامنے کوئی بھی شخص خصوصی استحقاق نہ رکھتا ہو۔ ہر شخص کو اس کے سامنے جوابدہی کیلئے طلب کیا جا سکتا ہو۔ اس لئے موجودہ محتسب کے ادارہ کے ڈھانچہ کو مناسب غور وخوص کے بعد زیادہ اختیارات دے کر فعال بنایا جائے۔ آخر میں چند گزارشات ہماری موجودہ انتظامیہ (نوکر شاہی) کے بارے میں عرض کروں گا۔ ہمیں ایک

بیوروکریسی آزادی کے بعد ایسی ورثہ میں ملی جس کے خدوخال انگریزوں نے اپنی ضروریات، مصلحتوں اور حکمرانی کے مقاصد کے مطابق استوار کیے تھے اور وہ سامراجی مقاصد کو پورا کرتی تھی۔

تجربہ سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ یہ انتظامیہ ایک آزاد قوم کے امنگوں کے مطابق نہیں ہے۔

ہمارے تجربہ میں یہ بات بھی آئی ہے کہ ہماری بہت سی خرابیوں کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایک شفاف انتظامیہ کو پروان نہیں چڑھا سکے جس کے باعث ہمارے یہاں Abuse of Power ہر سطح پر ہو رہا ہے اور یہ دوہرا عمل ہے چونکہ Democratic Culture ڈیمار کریٹک کلچر کو پیدا نہیں کر سکے۔ اور اس کی کوئی رمق ہمارے سیاسی نظام میں نہیں پائی جاتی ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ہمارے یہاں قانون کے احترام کا فقدان ہے۔ اس لے ہر برسر اقتدار آنے والی سیاسی جماعت اور اس کے کرتادھرتا مخلص، ایماندار، محنتی افسران کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ قاعدے قوانین کو نظر انداز کر کے ان کے Dictates پر چلیں اور جب یہ روش عام ہو گئی تو بد دیانت افسران Unscrupulous Adminestrators Officers کو موقع مل گیا کہ وہ من مانی کریں اور قانون و انصاف کا مذاق اڑائیں۔ اس لئے ایک انتظامی ٹریبنل قائم کیا جائے جہاں عام آدمی افسران کے ان فیصلوں کو چیلنج کر سکے جن سے مفاد عامہ پر ضرب پڑتی ہو یا اس کے ذاتی حق کو کوئی نقصان پہنچتا ہو۔ وہ افسران جن کو برسر اقتدار سیاسی جماعت کے کسی عہدیدار، منسٹر یا کسی اعلیٰ افسر کے غلط اور غیر قانونی حکم اور فیصلہ سے نقصان پہنچتا ہو وہ یہاں دادرسی کیلئے جا سکے۔ اس سے ایک طرف تو افسران مروجہ قاعدے قوانین کی خلاف ورزی نہ کر سکیں گے تو دوسری طرف وہ اپنی سرکاری کام و ذمہ داریوں کی بجاآوری میں قاعدے قوانین میں رہتے ہوئے آزاد ہوں گے اور کسی بھی سیاستدان و اعلیٰ افسر سے اس لیے مرعوب اور متاثر Intimidete نہ ہوں گے کہ انہیں کسی کی ذاتی خواہشات کو پورا نہ کرنے پر نوکری سے نکال دیا جائیگا یا کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائیگا۔ جیسا کہ ماضی میں افسران کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہوا کہ انہیں نام نہاد بد عنوانیوں کے الزام میں بہیک جنبش قلم کی سیاست دان یا ڈکٹیٹر کے حکم پر نوکری سے برخاست کر دیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆